اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۸، شمارہ۲، مسلسل شمارہ:۳۶۸، سال ۲۰۲۳ء

سیرستانِ مبارز الدولہ

ریاست بہاول پور کا ایک اہم تہذیبی و ثقافتی ماخذ

عِصمت درانی، پی ایچ ڈی

پروفیسر فارسی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

SAIRISTAN E MUBARZ UD DAULA

AN IMPORTANT CULTURAL SOURCE OF BAHAWALPUR STATE

Ismat Durrani, PhD
Professor of Persian
The Islamia University, Bahawalpur

Abstract

Sairistan e Mubaraz ud Daula is a travellog written in Persian language by Peer Ibrahim Ali Kheshgi Qasuri, who was the British native agent at Bahawalpur State.It consists of his travel to England, but the fourth chapter of this travelog is about the culture, civilization and traditions of Bahawalpur State. In this chapter, the writer spending his fourteen years employement stay has written about the geographical and traditional circumstances in quite an observational, keen and detailed way. That is the reason why this book may be named as one of the important works of Bahawalpur's culture and tradition in which the picture of the intial peaceful era is still intact, whose features are still on the verge of completion.

Keywords:
Sairistan, Bahawalpur State, Historical Sources, Peer Ibrahim Kheeshgi Qasuri, Culture and Traditions of Bahawalpur State

سیرستان مبارز الدولہ فارسی زبان میں لکھا گیا ایک سفر نامہ ہے جو ریاست بہاول پور (عہد:۱۷۲۷ -۱۹۴۷ء) کے ایک مقامی نمایندہ پیر ابراہیم علی خویشگی قصوری کے سفر انگلستان پر مشتمل ہے۔ یہ سفر نامہ ۲۳۷ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۸۵۴ء میں مطبع ریاض نور، ملتان سے شائع ہوا۔ اس کا چوتھا باب ریاست کی تہذیب و ثقافت سے متعلق ہے۔ بہاول پور کے معروف ادیب، شاعر اور صحافی حفیظ الرحمن حفیظ (۱۸۹۲۔۱۹۵۹ء) نے اس باب کے کچھ اقتباسات کا اردو ترجمہ کیا اور اس کے ساتھ اپنے دور کی تمدنی زندگی یعنی انہتر سال بعد کے حالات پر بھی روشنی ڈالی۔ یہ ترجمہ **تمدن بہاول پور کی دو مختلف تصویریں** کے نام سے ۱۹۲۳ء میں محبوب المطابع، دہلی سے شائع ہوا اور اب کم یاب ہے۔ **سیرستان** بھی بہاول پور کے کتب خانوں سے مفقود ہے۔ اس کا ایک نسخہ کامران فاروقی، ساکن محلہ قاضیاں، چاہ فتح خان، بہاول پور کے نجی کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ مضمون، اسی نسخے کی اساس پر لکھا گیا ہے۔

مبارز الدولہ پیر ابراہیم علی

مبارز الدولہ پیر ابراہیم علی خویشگی کے اجداد سلطان شہاب الدین غوری (۱۱۴۹۔۱۲۰۶ء) کے عہد (۱۲۰۲۔۱۲۰۶ء) میں کوہ فیروزہ اور غزنی (موجودہ افغانستان) سے ہجرت کر کے ملتان آئے تھے۔ بعد ازیں ناموافق آب و ہوا کی وجہ سے قصور منتقل ہو گئے۔ ابراہیم ۱۷۹۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰۸ء میں قصور پر رنجیت سنگھ (۱۷۸۰۔۱۸۳۹ء) کے قبضے کے بعد اپنے خاندان اور عزیز و اقارب کے ساتھ ممدوٹ منتقل ہو گئے، مگر تھوڑے ہی عرصے بعد فکر معاش سے پریشان ہو کر ابراہیم کے چچا نے رنجیت سنگھ کے ہاں بہ طور رسال دار ملازمت کر لی۔(۱) ۱۸۱۷ء میں پیر ابراہیم بھی مہاراجہ کی ملازمت میں شامل ہو کر کشمیر مہم میں شریک ہوئے، لیکن دل خواہ ترقی نہ ملنے کے باعث کچھ مدت بعد نوکری چھوڑ کر دہلی چلے گئے اور وہاں ماموں کے پاس رہ کر طب پڑھنے لگے۔ ۱۸۳۰ء میں سردار قطب الدین خان (۱۸۰۴۔۱۸۷۲ء) نے انھیں اپنا مختار کار اور پیش کار جاگیر مقرر کیا۔(۲) ۱۸۳۷ء میں پیر ابراہیم نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۸۴۰ء میں انھیں کمپنی کی جانب سے دربار بہاول پور میں نمائندہ مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں دریائے ستلج کے ریجنٹ متعین ہوئے۔(۳) ۲ جون ۱۸۴۰ء کو وہ کیپٹن ٹامس ہنری تھارنٹن (۱۸۳۱۔۱۹۱۳ء Thomas Henery Thoranton) کی جگہ بہاول پور کا مقامی نمایندہ مقرر ہوئے۔ پیر ابراہیم کو ریجنٹ دریائے ستلج اور مقامی نمایندہ بہاول پور کی خدمات کے معاوضے میں دو الگ الگ تنخواہیں ملتی تھیں۔

۳۱، اپریل ۱۸۵۴ء کو لیفٹیننٹ جے۔ ڈی کننگھم (۱۸۱۲۔۱۸۵۱ء Joseph Davey Cunningham) کو ان کی جگہ اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا گیا لیکن ۲۱ دسمبر ۱۸۵۴ء کو پیر ابراہیم کو دوبارہ اسی عہدے پر واپس بلا لیا گیا۔(۴) ۲۴ مارچ ۱۸۴۶ء کو انھیں ان کی خدمات کے صلے میں خلعت اور "خان بہادر" خطاب سے نوازا گیا۔ ریاست کے ناظم، مقامی نمایندہ اور صدر منصف مراد شاہ گردیزی (۱۸۱۰۔۱۸۷۶ء) کی تحریر کردہ ریاست کی پانچ جلدوں پر مشتمل قلمی تاریخ بہ عنوان **تاریخ مراد** (عہد تحریر: قیاساً ۱۸۷۵۔۱۸۷۶ء) کی چوتھی جلد میں جہاں نواب بہاول خان ثالث (۱۸۲۵۔۱۸۵۲ء) کی تخت نشینی سے لے کر نواب بہاول خان رابع (۱۸۶۶۔۱۸۵۸ء) کی وفات تک کے حالات درج ہیں، وہاں یہ تاریخ بھی پیر ابراہیم کے سرکاری فرائض کی بہ جا آوری کے ضمن میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے مندرجات سے ریاست کے لیے ان کی خدمات کا بہ خوبی علم ہوتا ہے۔(۵) پیر ابراہیم نے ایک جنگی مہم کے دوران میجر ہربرٹ بی ایڈورڈ (۱۸۱۹۔۱۸۶۸ء Herbert Benjamin Edwardes) کے ساتھ جلال پور پیر والا میں کچھ وقت گزارا، چناں چہ اُس نے اپنی کتاب: ***A Year on the Punjab Frontier*** میں کئی مقامات پر پیر ابراہیم کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کرتے ہوئے ان کی ذہانت اور دلیری کی تعریف کی ہے۔(۶) جیسا کہ وہ رقم طراز ہے:

> "The Peer was one of those men who are found only on frontiers, as the chamois is found only amid snows. On one side of his girdle was a pen, and on the other a sword; and he had a head, a hand, and a heart, ready to wield either with vigour."(7)

نومبر ۱۸۵۰ء میں پیر ابراہیم کو ولایت روانگی کا حکم ملا۔ ۲۶، اکتوبر ۱۸۵۰ء کو انھوں نے فرائض سے سبک دوشی اختیار کی۔ انھیں ۱۸۵۱ء میں دو سال کی رخصت مکمل تنخواہ کے ساتھ دی گئی اور ایک انگریزی دان مترجم ہم راہ کیا گیا۔ چند مہینے سیر و سیاحت میں بسر کیے لیکن آب و ہوا موافق نہ آئی۔ سردیوں میں فالج ہوا، علاج معالجہ کیا گیا لیکن افاقہ نہ ہوا۔ ناچار سفر ادھورا چھوڑ کر ۲۰ جنوری کو ساوتھ ہمپٹن ہندوستان روانہ ہوئے۔ مارچ کے آخر میں بمبئی پہنچے۔(۸) ۱۹ مئی ۱۸۵۲ء کو بہاول پور واپس آگئے۔ ۲۹ مئی ۱۸۵۲ء کو انگریز حکومت کی جانب سے انھیں "مبارز الدولہ" کا خطاب دیا گیا۔ بہاول پور میں بھی صحت بحال نہ ہو سکی اور ۱۸۵۶ء میں وفات پا گئے۔(۹)

تصانیف

پیر ابراہیم تصنیف و تالیف سے خاص رغبت رکھتے تھے۔ سیر ستان کے علاوہ ان کی درج ذیل تصانیف کا علم ہوتا ہے:

I. *Memoir of Peer Ibrahim Khan Bahadur, British Agenat at the Court of Bahawalpur*

غالباً یہ خود نوشت فارسی میں لکھی گئی جس کا انگریزی ترجمہ ای بی ایسٹ وک(E.B. Eastwick) نے کیا اور جنوری ۱۸۵۲ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ اس خود نوشت کے نسخہ انڈیا آفس کے پہلے ورق پر تحریر ہے:

Presented to the Library of the E.I College by E.B. Eastwick, Author of the memoir, januay 1852". (10)

II- تاریخ بہاول پور

پیر ابراہیم نے کیپٹن جے۔ ڈی ۔ کننگھم (۱۸۱۲۔۱۸۵۱ء Joseph Davey Cunningham) (۱۱) کے کہنے پر تاریخ بہاول پور لکھی، جس میں نواب بہاول خان (قیاساً نواب بہاول ثالث کے) کے حالات ہیں۔ اس تاریخ کا انگریزی ملخص شہامت علی(۱۲) نے *History of Bahawalpur* کے عنوان سے لندن سے ۱۸۴۸ء کو شائع کروایا۔ شہامت علی لکھتے ہیں:

"The work,of which the following is an abstract,is an abbreviation of the family annals of Nawab Bahawal Khan. It was abridgedat at Bahawalpur by Peer Ibrahim Khan, the British native agent there, at the request of Captin J. D. Cunningham....who is now our political agent at Bhopal.on his appointment to the latter agency in 1846,I bacame aware that he had some valuable Oriental MSS in his possession,and asked him to give me some work,in which I might employ my leisure hours usefully to myself and to the public. He most liberally and readily gave me two MSS.; viz.one, the present work, and the other a religious book...". (13)

سیر ستان مبارز الدولہ

کتاب کا مکمل نام مولف کے خطاب کی مناسبت سے **سیر ستان مبارز الدولہ** ہے(۱۴) لیکن یہ **سیر ستان** نام سے معروف ہے۔ پیر ابراہیم نے یہ کتاب ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء میں تالیف کی۔ ان کا کہا ہوا قطعہ تاریخ کتاب کے اختتام پر موجود ہے، جس سے ہجری اور عیسوی دونوں تاریخیں بر آمد ہوتی ہیں:

چو تایید خدا کردہ ہدایت — مرتب شد کتاب پر در ایت
کتاب دل پذیری ، بی نظیری — پسند افتاد ہر کس را بہ غایت

شدہ تشہیر آن شہری بہ شہری　　　شدہ مقبول دل ہا بی نہایت
بہ تاریخ تمامش ہاتف از غیب　　　بہ گفتا "زیب اخبار ولایت" ۱۲۷۰ھ
ز سال عیسوی آمد لغایت　　　سن ہجدہ صد و پنجاہ و ہم چہار ۱۸۵۴ء(۱۵)

ترجمہ: جب خدا تعالیٰ کی تائید سے توفیق ملی تو یہ فہم و فراست سے بھرپور کتاب مرتب ہوئی۔ یہ دل پذیر اور بے مثال کتاب ہر کسی کو بہت پسند آئی۔ یہ دلوں کو اس قدر بھائی کہ اس کی شہرت شہر شہر پھیل گئی۔ ہاتف نے غیب سے اس کی تاریخ تکمیل بتائی: "زیب اخبار ولایت"۔ آخر میں عیسوی سال ۱۸۵۴ء لکھا گیا۔

سیر ستان درج ذیل چار ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول: اپنے اسلاف، احوال اور پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کا بیان (ص:۵ تا ۲۴)

باب دوم: انگریز سرکار سے اپنی وابستگی کے آغاز کا بیان (ص ۲۴ تا ۱۷)

باب سوم: سفر انگلستان، وہاں کے غرائبات، ملکہ معظمہ، امرائے دربار سے ملاقات، اور واپسی کی تفصیلات (ص:۱۷ تا ۲۲۱)۔

باب چہارم: اہل بہاول پور کی عادات، اخلاق، اور اطوار، پیداوار، آب و ہوا، فنون و حرفت، وضع کشت کاری و وضع حکم رانی و مخارج و مداخل و بیان طول و عرض ملک و تشریح دریا و تعداد قوم داد پوترہ علاقہ بہاول پور (ص:۲۲۱ تا ۲۳۷)۔

مولف لکھتا ہے کہ اس نے اس کتاب کو "ارتکاب تکلف عبارات آرایی و تصنع مضامین پیرایی"، یعنی پر تکلف عبارات اور مصنوعی انداز کے بغیر سہل، عام فہم الفاظ اور سلیس عبارات کی صورت میں تحریر کیا ہے۔(۱۶) کتاب کی عبارت بندی برصغیر کے اسلوب نثر کے مطابق ہے۔ مولف نے متعدد مقامی الفاظ و تراکیب بھی استعمال کیے ہیں، مثلاً: لنگی، انگرکھہ، نین سکھ، اوڑھنی، گلبدن، دوشالہ، چورہ دندان فیل، کمخواب و اطلس، چھینٹ، سوسی وغیرہ، چلم، نسوار، کھیس، دریاں، وغیرہ۔

سیر ستان: بہ طور تہذیبی ماخذ

کتاب کا بیشتر حصہ تو پیر ابراہیم کے سفر انگلستان کے واقعات پر مشتمل ہے لیکن اس کا چوتھا باب بہاول پور کی تہذیب و ثقافت کے بارے میں ہے۔ مصنف نے اس باب میں اپنی چودہ سالہ دور ملازمت کے دوران یہاں کے جغرافیائی اور تمدنی حالات سے متعلق اپنے مشاہدات، تاثرات اور تجربات جامع انداز میں تحریر کیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو بہاول پور کی قدیم تہذیب و ثقافت کا اہم ماخذ قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس مضمون میں اسی باب کے مندرجات کی روشنی میں ریاست کی تہذیب و ثقافت کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے:

وضع علم و دانش

پیر ابراہیم نے لکھا ہے کہ یہاں تعلیم کا رواج بہت کم ہے۔ امرا کے قائم کردہ دو مدرسے موجود ہیں، جہاں فارسی و عربی کی معمولی تعلیم خاص لوگوں کو دی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کو شعر کہنے کا شوق ہے اور بعض شعر سننے سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ فارسی، عربی اور حکمت کی تحصیل سے بھی تھوڑی بہت رغبت پائی جاتی ہے۔(۱۷)

> "اہل قلم فقط از علم فارسی کم و بیش بہرہ می دارند و بعض کہ قوم برہمن و کھتری اند، از علم شاستر جزوی بہرہ می دارند۔"(۱۸)

ترجمہ: اہل قلم صرف فارسی سے ہی استفادہ کرتے ہیں، برہمن اور کھتری قوم کے کچھ لوگ تھوڑا بہت علم شاستر بھی جانتے ہیں۔

وضع لباس

"لباس عوام عمدہ آن است کہ لونگی زرکنار و پاجامہ ابریشمی و دستار و انگرکھ فراخ کہ از قسم نین سکھ وغیرہ باشد می پوشند و عورات عوام ان این ملک بجای دوبتہ و اوڑھنی لونگی و پاجامہ فراخ و تنگ از پارچہ سوسی ابریشمی و الوان و گلبدن[نوعی از پارچہ] وغیرہ می دارند و دوشالہ کم استعمال می نمایند، الا بعض بعض بجای دستار می بندند و زیورِ عورات از قسم طلایی و نقرہ بانواع وضع می دارند۔ مگر میناکاری را بسیار پسند می نمایند، و چورہ دندان فیل ضرور اہل مقدور بساعد می پوشند خصوص نو عروس۔ و بعض بعض اہل دولت بہ موسم زمستان چوغہ کم خواب و اطلس و پشمینہ وغیرہ پارچہ قسم اول می پوشند، و مردم متوسل سرکار بہاول پور کہ اوساط المعاش اند چوغہ و انگرکھ چھیت ولایت می دارند و دستار کلان می بندند۔" (۱۹)

ترجمہ: ریاست کے معززین کا عام لباس زرکنار لنگی، ریشمی شلوار، دستار اور خاصہ یا نین سکھ کا کھلا انگرکھا ہے۔ معزز گھرانوں کی عورتیں دوپٹے اور اوڑھنی کی بہ جائے لنگی استعمال کرتی ہیں، اور سوسی، گل بدن اور ریشم وغیرہ کا کھلا یا تنگ پاجامہ پہنتی ہیں۔ دوشالہ بہت کم استعمال کیا جاتا ہے، البتہ بعض لوگ دستار کی جگہ دوشالہ اوڑھ لیتے ہیں۔ خواتین کے سونے اور چاندی کے زیورات مختلف وضع میں تیار ہوتے ہیں، لیکن میناکاری کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ صاحب ثروت ہاتھی دانت کا چوڑا ضرور پہنتی ہیں، خصوصاً نئی دلہنیں۔

بعض امرا او روٴسا موسم سرما میں کم خواب، اطلس کے چوغے اور اعلی درجہ کا پشمینہ استعمال کرتے ہیں۔ سرکار بہاول پور سے وابستہ ملازمین جن کی آمدنی اوسط درجے کی ہے، ولایتی چھینٹ کے چوغے اور انگرکھے پہنتے ہیں، اور سر پر بڑی پگڑیاں یا صافے باندھتے ہیں۔

عادات واطوار اور طرز معاشرت

"نان دو وقت بہ گوشت بزیا گوسفندمی خورند و گوشت ماہی رابسیار دوست میدارند و غربا باعث تخفیف مصرف گوشت گاو بکار خود می برند و دال خوردن را تمام مذموم می دانند۔ احیاناً اگر احدی بہ واسطہ تقلیل خرچ نان بدال تناول می سازد، دیگران بہ ملامت پیش می آیند کہ فلانی دال می خورد۔"(۲۰)

ترجمہ: یہاں کے لوگ بھیڑ بکری کے گوشت کے ساتھ دو وقت کا کھانا کھاتے ہیں۔ مچھلی کا گوشت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ غریب لوگ بچت کے خیال سے گائے کا گوشت استعمال کرتے ہیں۔ دال کھانے کو سب ہی معیوب سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص خرچ کی کمی کے باعث دال روٹی کھالے، تو بھی لوگ برا سمجھتے ہیں کہ فلاں شخص دال کھاتا ہے۔

"اکثر از چلم کشی عار کردہ، دبیہ ناسوار در کیسہ داشتہ، موافق عادت خود ہا ناس در بینی می کشند و رومال برای صاف کردن بینی ہم راہ می دارند و شوق و مذاق مردم این ملک آن است کہ بہ وقت سوم پاس روز برای سیر سبزہ باغات و اجرای آب نہرہای کہ قریب محل سکونت آن ہا است رفتہ الی غروب آفتاب بہ تماشا مشغول می باشند، و بہ موسم گرما از ماہ ہاڑ لغایت آخر بھادون اکثر اوقات بہ باغ رفتہ بہ ضیافت دوستان و رقص طوایفان صرفہ اوقات می کنند۔ چہ اہل اسلام و ہنود یوم یک شنبہ در جای کہ آب جاری می باشد فراہم بودہ تماشا می کنند تا چہار ماہ بعد از ان بہ روز مذکور بہ شرط قرب دریا غسل از آب دریا می کنند کہ آن را ثواب عظیم می دانند۔"(۲۱)

ترجمہ: اکثر لوگ حقے سے پرہیز کرتے ہوئے نسوار کی ڈبیہ جیب میں رکھتے ہیں اور اپنی عادت کے مطابق ناک میں نسوار ڈالتے ہیں۔ ناک صاف کرنے کی غرض سے رومال ساتھ رکھتے ہیں۔ اس علاقے کے لوگوں کا مشغلہ ہے کہ دن کے تیسرے پہر اپنے رہائشی مقامات کے قریب واقع باغوں کی سیر اور نہروں کے پانی کی روانی دیکھنے کے لیے چلے جاتے ہیں، اور شام تک اس تفریح میں مشغول رہتے ہیں۔ گرمیوں کے دنوں میں ہاڑ سے بھادوں کے اختتام تک کا بیشتر وقت باغوں میں دوستوں کی دعوتوں اور طوائفوں کے رقص میں

صرف کرتے ہیں۔ اتوار کے دن اکثر ہندو اور مسلمان نہر پر جاتے ہیں، اور یہی مشاغل چار مہینے تک برابر جاری رہتے ہیں۔ دریا قریب ہونے کی صورت میں وہاں جا کر نہاتے ہیں اور اس کو بہت ثواب کا باعث سمجھتے ہیں۔

"لباس چرکین را زبون نمی دانند و ہر یک موی دراز بر سر می دارد و از گِل ملتانی روغن تلخ می شویند۔ وزداشتن موی را روغن مذکور مقوی دماغ و زیب موی می دانند۔ و اکثر متوسلان سرکار بہاول پور زین اسب با ساز نقرہ می دارند و شوق رقص و تماشای طوایفان را دوست می دارند و بعضی اہل اسلام را شوق شنیدن درس مولویان کہ بہ روز جمعہ بہ مسجد جامع می شود، می باشد۔"(۲۲)

ترجمہ: یہ لوگ میلے لباس کو برا نہیں سمجھتے۔ سر کے بال لمبے رکھتے ہیں اور ملتانی مٹی اور کڑوے تیل سے دھوتے ہیں۔ سر میں مذکورہ تیل لگانے کو مقوی دماغ اور بالوں کی زینت تصور کرتے ہیں۔ اکثر سرکاری ملازمین کے پاس گھوڑوں کی زین اور نقرئی ساز ہوتے ہیں اور طوائفوں کے رقص دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ بعض مسلمان مولویوں کے وعظ کے مشتاق رہتے ہیں، جو ہر جمعہ کو جامع مسجد میں ہوتا ہے۔

"فیما بین اقربا طریقہ محبت و الفت است و با سادات و علما و اہل تصوف اعتقاد و اخلاص می دارند اما در میان قوم سادات و علما حسد بسیار است۔" (۲۳)

ترجمہ: یہاں کے لوگ بالعموم الفت اور محبت کے ساتھ رہتے ہیں۔ سادات، علما اور صوفیہ کرام کے ساتھ بہت اخلاص اور اعتقاد کے ساتھ پیش آتے ہیں، لیکن علما اور سادات کی طبیعتوں میں حسد بہت پایا جاتا ہے۔

"تعزیہ داری و مرثیہ خوانی بہ ماہ محرم نمی شود کہ از والی ملک درین باب ممانعت کلی است و نیز این قسم از بدعت، بل از اثم ہای کبایر می شمارند۔ فقط نکاح از دو سہ زن تا چہار زن عیب نمی دانند بل موجب فخر و تزاید اولاد تصور می نمایند حتی کہ بعض بعض محتاجان دو دو زن را بہ حبالہ نکاح می دارند۔"(۲۴)

ترجمہ: سرکار ریاست کی جانب سے مرثیہ خوانی اور محرم شریف کی تعزیہ داری کی سخت ممانعت ہے، اس لیے یہاں ان کا رواج نہیں ہے، لوگ انھیں بدعت بل کہ گناہ کبیرہ تصور کرتے ہیں۔ دو تین یا چار عورتوں سے نکاح کرنے کو عیب نہیں سمجھا جاتا، جب کہ کثرتِ اولاد کو فخر کا باعث گردانتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مفلس اور تنگ دست لوگ بھی دو دو بیویاں اپنے گھر میں رکھتے ہیں۔

طرز معاشرت کے متعلق پیر ابراہیم نے لکھا ہے:

"تفاخر بہ طبایع این مردم بسیار است۔ وطن خود را خیلی عزیز می دارند و مردم دیگر اقالیم را بہ مقدار عزت برابر خود نمی دانند در صورت رو داد معاش مفلسانہ بہ تلاش روزگار بہ ملک دیگر نمی روند بدادہ خدا راضی بودہ ترک اوطان مالوفہ نمی سازند۔ مردم تکدی پیشہ ہا بسیار اند۔ سادات و علمای این ملک سوال را

چندان عیب نمی دانند اگرچہ اقسام بدعت می شود و امادم از دینداری می زنند۔ اکثر علمای وغیرہ مردم مذہب صوفیانہ می دارند و سرود شنیدن و بہ غزلہای شوقیہ و ابیات عشقیہ رقص کردن و گریہ نمودن و مشائخ پرستی وطریقہ پیری و مریدی ساختن بسیار شایع و رایج است و اصلاً این قسم عادات راعیب و مورث رخنہ دین نمی دانند بل استعمال این ہمہ امور راموجب فواید دنیاو نجات آخرت تصور می سازند۔"(۲۵)

ترجمہ: یہاں کے لوگ بہت مغرور ہیں۔ اپنے وطن سے بہت محبت کرتے ہیں۔ دیگر علاقوں سے آنے والوں کو اپنے برابر نہیں سمجھتے۔ خواہ کتنے ہی تنگ دست اور مفلس ہوں، تلاشِ معاش کے لیے کہیں اور نہیں جاتے اور قناعت پسندی اختیار کرتے ہوئے وطن سے باہر نکلنا گوارا نہیں کرتے۔ فقیر پیشہ لوگ کثرت سے ہیں۔ اس علاقے کے علما اور سادات مانگنے کو برا نہیں سمجھتے، اگرچہ بہت سی بدعتوں کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن دین داری کا دعوی بھی کرتے ہیں۔ اکثر علما کا مسلک صوفیانہ ہے۔ شوقیہ غزلوں کا سننا، عشقیہ نظموں کا پڑھنا، پیری مریدی کا طریقہ اور وجد و سماع کا بہت رواج ہے۔ اس قسم کی بدعتیں نہ بری سمجھی جاتی ہیں اور نہ دین داری کے خلاف بل کہ یہ امور دین و دنیا کی نجات اور کام یابی کا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں۔

شادی بیاہ کی رسومات

"ہر گاہ بہ حد بلوغت می رسند بہ ہر قوم کہ مناسب می دانند ، کتخدا می شوند ۔ و این امر راواجب نمی دانند کہ بلوچ بہ خانۂ بلوچ و افغان بہ خانۂ افغان و قریشی بہ خانۂ قریشی وغیرہ اقوام کتخدا شوند، بل متاع نیکو از ہر دو گان کہ بہ دست می آید می گیرند ۔ و دستور این ملک آن است کہ اگر افغان از اقوام کہتر و ارزال کتخدا شود و از بطن آن اولاد تولد گردد و بلا عیب بہ قوم پدر معروف می گردد و افغان صحیح النسب این ملک آن مولود را بہ خانۂ خود پیوند می دہد۔"(۲۶)

ترجمہ: اولاد جب بالغ ہو جائے تو جہاں مناسب سمجھتے ہیں، ان کی شادی کر دی جاتی ہے۔ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ بلوچ بلوچ کے ہاں، پٹھان پٹھان کے ہاں، اور قریشی قریشی کے گھرانے میں نکاح کریں، بل کہ جہاں اچھا رشتہ ملے طے کر دیا جاتا ہے۔ یہاں کے دستور کے مطابق اگر اعلی خاندان کا پٹھان کسی کم تر قوم کی عورت سے شادی کر لے تو اس کا بیٹا اپنے باپ کی قوم میں بے عیب شمار کیا جاتا ہے اور اس لڑکے کو صحیح النسب پٹھان بے تکلف اپنی رشتہ داری میں لے لیتے ہیں۔

"بہ ایام شروع شادی کتخدائی مردم اہل ثروت و متوسط چند روز نقارہ نوازی می نمایند و بازی" جھونبر "[نوعی از رقص] ہنگام شب تا نصف یا زیادہ از آن بہ مکان صاحب شادی می گردد و بازی جھونبر آن را گویند کہ چند مرد و زن بہ طور حلقہ رقص و وجد وغیرہ حرکات لغو می کنند و بہ آواز نقارہ پاکوبی می سازند و بدیدن این حرکات نالائق تماشاییان خوش می شوند و بر قاصان و نقارہ کوبان چیزی بہ خیری می دہند۔ بعد آن دو سہ روز رقص طوایفان می ماند۔ پس آن حسب مقدور طعام پختہ بہ شاملان شادی تقسیم کردہ خورانیدہ، وقت نصف شب بہ طور برات بہ خانہ خسر رفتہ، شرط عقد نکاح کردہ، ہنگام آخر شب منکوحہ را بہ سواری ڈولہ[تخت روان کوچک]بہ مکان خود می آرند و زیور وغیرہ حسب مقدور پدر دختر بہ دختر می دہد خصوص چورۂ عاج سفید کہ مخصوص بہ عادت این ملک و درین حدود بہ وضع عمدہ تیار می شود و ضرور بہ بازوی نو عروس می اندازند و اگر صاحب شادی قلیل المال می باشد و رقص طوایفان و نقارہ نوازی و بازی جھونبر نکنانند، اہل برادری وغیرہ دوستان ناراض شدہ آن را محفل ماتم می نامند۔"(۲۷)

ترجمہ: شادی بیاہ کے آغاز پر دولت مند اور متوسط درجے کے لوگ نقارے بجواتے ہیں اور راتوں کو، آدھی رات تک یا اس سے بھی دیر گئے جھومر[رقص کی ایک قسم] کھیلی جاتی ہے۔ کچھ مرد اور عورتوں کا حلقے کی صورت میں رقص و وجد اور بے سروپا حرکات کرنے اور نقارے کی آواز پر پاؤں مارنے کو جھومر کہتے ہیں۔ ان بے ہودہ حرکات پر لوگ خوش ہوتے ہیں اور رقص کرنے والوں اور نقارہ بجانے والوں کو خیرات میں پیسے دیتے ہیں۔ ان تقریبوں میں دو تین دن تک طوائفوں کا ناچ بھی دیکھا جاتا ہے۔ پھر براتیوں کو حسب مقدور کھانا کھلایا جاتا ہے۔ عموماً آدھی رات کو برات دلہن کے گھر جاتی ہے اور نکاح کے بعد رات کے آخری پہر دلہن کو ڈولی پر سوار کر کے دولہا کے گھر لایا جاتا ہے۔ دلہن کا باپ اپنی حیثیت کے مطابق چاندی سونے کے زیورات جہیز میں دیتا ہے۔ خاص طور پر ہاتھی دانت کا چوڑا بہت مروج ہے اور یہ چوڑا اسی ملک میں تیار کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی مالی کم حیثیتی کے باعث طوائفوں کا رقص، نقارہ بازی اور جھومر کا اہتمام نہ کرے تو لوگ ناخوش ہوتے ہیں، اور ایسی شادی کو محفل ماتم کہا جاتا ہے۔

اہل حرفہ

"مردم این ملک اکثر مردم اہل زراعت و کمتر اہل نوکری اند و نیز نایع کار بافندگی از قسم ابریشم و سوتہ این کار باینجا خوب تیار می شود۔ از اقسام سوسی و لونگی و کھیس و گل بدن و دریاں عمدہ بافیدہ می شود۔ قالین

وشطرنجی از سوت وپشم ہم تیار می گرددوسوسی ولونونگی ہم۔ وبافندگان این جاموافق نمونہ ہر ولایت کار ابریشم کردن می توانند۔ ونجاران کار چوب خوب می کنند وخیاط ہم وافر۔ وبعضی کاتب (در) خط فارسی وعربی خوب ہستند۔ وگلابتون نقرہ باریک دلک تیار می کنند وظروف گلی از قسم آب خورہ وصراحی وسبوخوب تیار می شوند بشرطیہ کہ اگر آن قسم کسی تیار کناند کہ بہ وزن چہار تولہ تولہ آب خورہ گلی می باشد ودر آن نیم آثار آب می گنجد۔ وبہ دیگر ظروف ہمین قیاس باید کرد۔ ویک از متوطن این جاگھری وباجۂ انگریزی خوب تیار می کنند۔ واز سرکار والیِ این جابر ایش تنخواہ مقرر۔ نام آن مولوی عظیم الدین است۔"(۲۸)

یہاں کے اکثر باشندے زراعت پیشہ ہیں، جب کہ بعض ملازمت بھی کرتے ہیں۔ سوت اور ریشم کی بافت کا کام یہاں اعلی درجے کا ہوتا ہے۔ چناں چہ لنگی، سوسی، کھیس، گل بدن، دریاں نہایت عمدہ تیار ہوتی ہیں۔ سوت اور ریشم کے قالین اور شطرنجیاں بھی بنی جاتی ہیں۔ یہاں کے جولاہے ہر علاقے کے نمونے کا ابریشمی کام کرسکتے ہیں۔ بڑھئی، لکڑی کا عمدہ کام کرتے ہیں، اور درزی بھی بہتات میں ہیں۔ فارسی اور عربی کے کچھ اچھے کاتب ہیں۔ چاندی کے کلابتو اور نفیس گردن بند تیار کرتے ہیں۔ مٹی کے برتن مثلاً صراحیاں، آب خورے، اور گھڑے نہایت عمدہ بناتے ہیں۔ فرمائش پر چار تولے مٹی کا ایسا آب خورہ بنادیتے ہیں جس میں آدھا سیر پانی سما سکے۔ یہاں کا ایک باشندہ مولوی عظیم الدین (۲۹) انگریزی باجے اور گھڑیاں بہت عمدہ بناتا ہے اور سرکار سے اس کو تنخواہ بھی ملتی ہے۔

زرعی پیداوار

"زرعکاران بفصل ربیع از نصف ماہ اسوج الی نصف ماہ مگھر قلبہ رانی وتخم ریزی می سازند واز آغاز بیساکھی آخر ماہ جیٹھ درو کردہ خرمن ہای غلہ تیار شود وبعد تقسیم حصہ سرکار بہ مکان خود می آرند۔"(۳۰)

مصنف کے مطابق یہاں ماہ اسوج کے وسط سے مگھر کے وسط تک فصل ربیع کاشت کی جاتی ہے۔ اور بیساکھ کے آغاز سے جیٹھ کے آخر تک ربیع کی فصل کاٹی جاتی ہے۔ ابتدائے ماہ ہاڑ سے ساون کے آخر تک فصل خریف کاشت ہوتی ہے اور کاتک کی ابتدا سے وسط مگھر تک اس فصل کے کاٹنے کا وقت ہے۔ سرکاری حصہ وصول کرنے کے بعد غلہ زمین دار کے تصرف میں آتا ہے۔

فصل ربیع میں گیہوں، جو، چنا، مٹر وغیرہ اجناس اور ترکاریوں میں کھیرے، ککڑیاں، بینگن، کدو، ترئی، کریلا، خرفہ چولائی، اور میوہ جات میں سے خربوزہ، تربوز، آم، کھجور، انار، سیب، شہتوت، آلوچہ،

شفتالو، انگور، فالسہ اور لیموں پیدا ہوتے ہیں۔اور خریف کے موسم میں اجناس میں سے جوار، باجرا، مکئی، چاول، ماش، مونگ، اور ترکاریوں میں سے شلجم، میتھی، پالک، سویا، مولی، شکر قندی، گاجر، میووں میں سے سنترہ اور گنا پیدا ہوتا ہے۔ نیل کی پیداوار بھی اس ملک میں نہایت کثرت سے ہوتی ہے یہاں تک کہ سوداگر لوگ اس کو خرید کر افغانستان اور بمبئی بھی لے جاتے ہیں۔" (۳۱)

آب وہوا

اس ملک کی آب وہوا انگلستان اور افغانستان کے رہنے والوں کے لیے غیر موافق ہے مگر یہاں کے لوگ اس کے عادی ہیں۔بیرونی علاقوں سے جو لوگ یہاں آکر رہتے ہیں، گرمی کے دنوں میں نہایت بے تاب ہو جاتے ہیں۔لب دریا کی بستیاں، ہاڑ اور ساون بھادوں میں سیلاب کے اثر سے نم ناک رہتے ہیں۔بارش نہایت کم ہوتی ہے:

"بعض می گویند کہ از عرصہ دوازدہ سال بارش کامل باین ملک نمی گردد و از عرصہ چہار دہ سال مولف بہ این ملک سکونت دارد مثل پنجاب نزول بارش ندید در تمام برشگال یک دو بارش خفیف کہ روی زمین ترمی گردد و دوہمین قسم موسم سرما۔"(۳۲)

ترجمہ: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بارہ سال سے یہاں موسلا دھار بارش نہیں ہوئی۔مولف نے جو چودہ سال سے یہاں رہتا ہے، برسات کے سارے موسم میں کبھی پنجاب کی طرح یہاں بارش ہوتے نہیں دیکھی۔گرمیوں میں نہایت کم اور ہلکی بارش ہوتی ہے ،جس سے صرف زمین گیلی ہوتی ہے اور اسی طرح سردیوں میں بھی۔

نظام حکومت

پیر ابراہیم چوں کہ خود دربار سے وابستہ تھے لہذا انھوں نے نظام حکومت کو بہ غور دیکھا اور جانچا۔ان کے مشاہدے اور تجزیے کے مطابق اس دور کے نظام حکومت کے چند اہم نکات:

فرماں روائے ریاست مالی اور ملکی مقدمات کی سماعت اور فیصلہ خود کرتے ہیں اور علاقہ کے کارگزاروں پر ارشاد منظوری صادر فرماتے ہیں۔کسی شخص پر ظلم اور تعدی نہیں ہوا۔ہر روز دربار ہوتا اور ملازموں کا سلام لیا جاتا ہے۔

قابل احترام بزرگ خواہ وہ سادات سے ہوں یا علما سے، شاہی خاندان سے ہوں یا کسی اور اعلی خاندان سے، جب دربار میں سلام کے لیے حاضر ہوتے ہیں تو نواب سروقد اٹھ کر ان کو تعظیم دیتے ہیں۔

دوپہر سے پہلے یہ دربار ختم ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ سہ پہر کو بھی ایک دربار منعقد ہوتا ہے۔ اس میں صرف شاہی خاندان کے صاحب زادے اور خاص معتبر لوگ ہی شامل ہوتے ہیں۔ ظلم اور ناانصافی پر اظہار ناراضی کیا جاتا ہے اور قصوروار ماتحت کو پروانہ کے ذریعے سخت تنبیہ کی جاتی ہے۔

اگر کوئی فریادی پیش ہو تو دربار کے حاضر باش قاضی کے نام حکم صادر ہوتا ہے کہ وہ بے رعایت صحیح تحقیقات کر کے فریادی کی دادرسی کرے۔ اس پر بھی اگر کوئی فریق اس فیصلے سے ناراض ہو تو پھر دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کی جاتی ہے۔ یا تو نواب خود فیصلہ کرتے ہیں یا شہر کے بڑے قاضی کے پاس اس معاملہ کو بھیج دیتے ہیں۔

ریاست کے ہر بڑے شہر میں قاضی، کوتوال اور چودھری مقرر ہیں۔ اکثر دیوانی اور فوج داری مقدمات کا فیصلہ قاضی کی عدالت میں ہوتا ہے، بعض فوج داری مقدمات کا فیصلہ کوتوال کرتا ہے۔ تجارت کے تمام مقدمات جن کا تعلق ہندوؤں سے ہوتا ہے، چودھری طے کرتا ہے۔ اگر چودھری کا فیصلہ درست نہ ہو تو اس کا مرافعہ قاضی کے محکمہ میں ہوتا ہے۔ جو شخص قاضی کے فیصلے سے منحرف ہو جائے اس کو شرعی سزا دی جاتی ہے۔

باوجود اس قدر احتیاط اور نگرانی کے، اہل کار رشوت کے عادی ہیں۔ اس لیے لوگوں پر ظلم بھی ہوتا ہے۔ اگرچہ ظلم ثابت ہونے پر سرکار سے سخت سزا دی جاتی ہے لیکن اس قسم کی شکایتیں نواب تک مشکل سے ہی پہنچ پاتی ہیں۔

ریاست کے ہر بڑے شہر میں ایک ایک اخبار نویس مقرر ہے جو اس شہر کے حالات کی اطلاع سرکار میں بھیجا کرتا ہے۔ کوتوالی کے چبوترے پر ایک نقارہ نواز متعین ہے جو روزانہ تین مرتبہ نوبت بجاتا ہے۔ پہر رات گزرے ہر ایک شخص اپنے مکان پر پہنچ جانے کا پابند ہے۔ اگر اس وقت کے بعد کوئی شخص اکیلا گھومتا ہوا پایا جائے تو پاسبان اس کو روکتے ہیں۔ اگر اطمینان نہ ہو سکے تو صبح تک اسے چبوترے پر رکھا جاتا ہے۔

اس ملک کا معاملہ چوں کہ خام ہے یعنی مالیہ جنسی وصول ہوتا ہے، اس لیے آمدنی کا پورا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم تخمیناً کہا جاسکتا ہے کہ اگر غلہ کا نرخ اوسط یا ارزان ہے تو نرخ اوسط کی حالت میں چودہ

پندرہ لاکھ کی سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔ ارزانی غلہ کے وقت کچھ کم اور گرانی کے وقت کچھ زیادہ۔ ریاست کے اخراجات اور تنخواہوں کے مصارف کا اندازہ نودس لاکھ سالانہ کیا جاتا ہے۔(۴۳)

تبصرہ

ریاست بہاول پور ۱۷۴۷ء میں وجود میں آئی۔ پیر ابراہیم نے تین نوابوں: نواب محمد بہاول خان ثالث (۱۸۲۵۔۱۸۵۲ء)، نواب صادق خان ثالث(۱۸۵۲۔۱۸۵۳ء)، اور نواب فتح خان (۱۸۵۳۔۱۸۵۸ء) کا دور بہ چشم خود ملاحظہ کیا۔ وہ ۱۸۴۰ میں ریاست میں آئے اور یہیں ۱۸۵۶ میں ان کی وفات ہوئی۔ ۱۸۴۰ میں ان کی آمد کے وقت نواب محمد بہاول خان ثالث والیٔ ریاست تھے اور اپنی ریاست کی آبادی اور آراستگی کے لیے ہر ممکن کوشاں تھے۔ وہ ایک اچھے منتظم تھے جس کا اندازہ پیر ابراہیم کے کیے گئے نظام حکومت کے جائزے سے بہ خوبی ہوتا ہے۔ ان کے فلاحی اقدامات کے صلے میں عوام نے انھیں ''ثالث بالخیر'' کا لقب دیا۔ بہاول پور کو آباد ہوئے ابھی ایک صدی کے قریب وقت گزرنے والا تھا لیکن پھر بھی نظام حکومت مختصر اور سادہ تھا۔ نواب کی ذات رعایا کے لیے مقدس ترین ہستی سمجھی جاتی تھی اور اس کے عادات، خصائل اور منشا کی تقلید کرنے کو سب اپنی عزت سمجھتے تھے۔ نواب کا حکم ہر طبقے میں عقیدت اور فرماں برداری کے ساتھ مانا جاتا تھا۔ اگرچہ اہل کار و کارکنان ریاست سے شکایت عام تھی، اس کے باوجود نواب کے لیے شکر گزاری اور رضامندی کے جذبات جوش اور خلوص سے موجود تھے۔ فوج مختصر تھی کیوں کہ نواب کی تمام برادری اس کے دست و بازو خیال کیے جاتے تھے۔ فوج داری جرائم اور حفظ و امن کے تمام شعبے عملی طور پر ایک کوتوال کی تحویل میں تھے۔ راشی ملازمین کو سزائیں ملتی تھیں، پھر بھی شکایت رفع نہ ہوتی تھی۔ مالیہ کی وصولی جنس میں ہوتی تھی، انہار کا نظام بہت سادہ تھا۔ ریاست جدید تمدن کی جانب آمادہ ہو رہی تھی مگر ہنوز نظام عمل پرانے طریق اور اسلامی روایات کے مطابق تھا۔ دفاتر کی تمام خط و کتابت فارسی میں ہوا کرتی تھی اور تمام ریاست کا تحریری نظام فارسی زبان کے ذریعے قائم تھا۔

یہ وہ دور ہے جب بہاول پور مستحکم اور خوش حال تھا، امن و امان برقرار تھا اور کسی داخلی خلفشار کا وجود نہ تھا۔ اس دور میں ریاست بھر میں مساجد تعمیر کروائی گئیں اور ان میں مدارس قائم کیے گئے، جہاں مقامی ائمہ اور علمائے کرام تدریسی فرائض سر انجام دیتے تھے۔ دینی تعلیم اور مشرقی علوم کے ایسے مسجد و مکاتب ابتدا میں اللہ آباد اور ڈیرہ جیسے دور افتادہ علاقوں میں قائم کیے گئے۔(۴۴) کتابت و حکمت کے

علوم باقاعدہ طور پر سرکاری سطح پر پڑھائے جاتے تھے اور حوصلہ افزائی کے لیے انعام واکرام سے بھی نوازا جاتا۔(۳۵) زراعت کا شعبہ بھی بہتر تھا۔ ہمہ قسم کی اجناس خصوصا گندم اور کپاس کثرت سے کاشت کی جاتی تھی۔ باغات کی کثرت تھی خصوصاً کھجور اور آم کے باغات بہتات سے تھے، بل کہ لفظ "باغ" سے مراد آم کا باغ ہی مراد لیا جاتا تھا۔ تجارت کے ساتھ بہاول پور میں اس زمانے کی مروجہ اور روایتی صنعتوں نے بھی خوب ترقی کی۔ حکم ران صنعتی ترقی میں دل چسپی بھی لیتے خصوصاً کپڑا سازی ،رنگ سازی اور برتن سازی نے بہت ترقی کی تھی۔ انھی صنعتوں کی بہ دولت لوگوں کی کثیر تعداد کو روزگار کے مواقع ملے۔ مصنف کے دور میں یہاں کے کاری گر دو تولے مٹی سے بھی صراحی تیار کر لیتے تھے۔ ریشمی اور سوتی کپڑے کی صنعت میں بھی خود کفالت حاصل تھی۔ یہاں کا تیار کردہ کپڑا وسطی ایشیا تک جاتا تھا۔(۳۶)

پیر ابراہیم سے قبل بھی بعض یورپی اور ہندوستانی سیاحوں نے بھی اپنے سفر ناموں میں ریاست بہاول پور کے خدوخال پر کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، جن سے **سیرستان** کے بعض مندرجات کی بہ خوبی تصدیق ہوتی ہے اور اس وقت کے بہاول پور کے تہذیبی، معاشرتی اور معاشی حالات سے آگاہی ہوتی ہے۔ مثلاً: ماونٹ سٹوریٹ الفنسٹن (۱۷۷۹۔۱۸۵۹ء Mount Stuart Elphinstone) بہاول پور میں وارد ہونے والا پہلا یورپی سیاح تھا۔ وہ ۱۸۰۸ء میں بیکانیر کے راستے بہاول پور میں داخل ہوا اور یہاں کے مختلف علاقوں سے گزرتا ہوا کابل پہنچا۔ وہ لکھتا ہے:

I..A striking difference was observable between them and the people on the east of desert. Those we now saw, were strong, dark, harsh featured, had their hair and beards long, wore caps aftener than turbans, and spoke a language, entirely unintelligible to our Hindoetauny attendants. The better sort were the dress, and affected the manner of Persia. (37)

II: Bahawalpur is remarkable for the manufacture of lounges, or silken girdles, and turbans.The inhabitants of this, and all the neighboring countries on the west and north, are principally Jute and Baloches, who profess the Mohammadian religion. There are more Hindus at Bahawalpur than any of the other provinces the mission passed through. Afghans are foreigners there.(38)

برطانوی سیاح چارلس میسن (۱۸۰۰-۱۸۵۳ء Charles Masson) نے ۱۸۲۶ء میں بہاول پور کا دورہ کیا اور پنجاب کے علاوہ افغانستان اور بلوچستان کا سفر بھی کیا۔ وہ جب بہاول پور آیا تو اس کی

جیب میں صرف چار روپے تھے۔اس رقم سے اس نے بہاول پور کی سیاحت کی اور مہمان نوازی کا لطف اٹھایا۔وہ لکھتا ہے:

I:. Bikkanir, and other of the Rajput states to the east, mainly depends upon Bahawalpur for their supplies for consumption. There are few, if any countries in Asia, where provinces, the produce of the soil, are more abundant or cheaper than in the Bahawalpur state.''(39)

II: I passed three or four days at Bahawalpur, which gave me the opportunity of inspecting some of the manufactures of silk and tissue, for which city is famed (40)

موہن لال کشمیری(۱۸۱۲–۱۸۷۷ء) ۱۸۳۶ میں بہاول پور آیا۔ وہ ریاست بہاول پور میں مہمان نوازی، تواضع، ریشمی مصنوعات اور گھنے باغات کے بارے میں یوں رقم طراز ہے:

"On my arrival at Bahawalpur, the Nawab sent his agent with sweetmeats and necessaries to me, and offered his kind assistance in facilitating my future journey. The city is celebrated for its silk manufactures and indigo plantation. The garden are numerous, and filled with mango trees." (41)

ان کے مطابق نو گز کی ایک لنگی کی قیمت دس روپے سے تین سو روپے تک ہے۔اعلیٰ قسم کی ریشمی لنگی تین قسم کی بنتی تھی۔سب سے اعلیٰ قسم کی لنگی کا کنارا سنہرا ہوتا تھا اس کی قیمت بیس سے تین سو روپے تک تھی۔دوسری جس کا سرا روپہلا ہوتا تھا، اس کی قیمت بیس سے ساٹھ روپے تک تھی۔اور تیسری جس کا کنارا سبز اور زرد رنگ کا تھا، اس کی قیمت سات سے بیس روپے تک تھی۔یہ لنگیاں اور دوسرا کپڑا خراسان اور دوسرے کئی ممالک کو برآمد کیا جاتا تھا جس کا سالانہ اسّی ہزار روپے آمدن تخمینہ تھا۔(۴۲)

تاریخ مراد جو اسی دور میں لکھی گئی، کے مندرجات سے بھی علم ہوتا ہے کہ مئی ۱۸۵۵ء کو فرانس میں مصنوعات کی ایک نمائش منعقد ہوئی۔جس کے لیے بہاول پور سے ریشمی کپڑا، مرصع زیوارت، تلواریں، بندوقیں اور ان کے میناکاری شدہ سازوں کے علاوہ برتن اور لنگیاں بھی شامل کی گئیں۔(۴۳)

پیر ابراہیم کے اڑتیس سال بعد میر ناصر علی نے یہاں کے لوگوں کی عادات، اطوار، وضع قطع اور لباس کے متعلق **جغرافیہ ریاست بہاول پور** (اشاعت:۱۸۹۲ء) میں لکھا:

"یہاں کے لوگ خلیق، بامروت، مہمان نواز، خوش اعتقاد، سخی اور شجاع ہیں۔ وطن اور اپنی وضع کو بہت پسند کرتے ہیں، سفر سے نفرت رکھتے ہیں۔ شکار کے شوقین ہیں۔ بہ سبب آب وہوا گرم وخشک کے صفراوی مزاج ہیں۔ استغنائے طبع سے متوکل ہیں۔ محنت شاقہ اپنے اوپر گوارا نہیں کرتے۔ مسلمان طویل القامت، قوی ہیکل، گندمی رنگ، بال عموماً لمبے، کاکلیں چھوٹی، ریش مقطع، سر پر بہت بڑا عمامہ خاص بندش کا، گلے میں پیرہن، پاوں میں شلوار، مگر لباس ڈھیلا ڈھالا، ایک چادر بہ طور پٹکا کمر کے لیے، یہ عموماً شرفا کا لباس ہے۔ عام زمین داروں کا لباس اس کے قریب قریب ہے۔ یہ بہ جائے پیرہن کے کرتا اور بہ جائے شلوار کے لنگی باندھتے ہیں۔ اہل ہند کی وضع ان سے علیحدہ ہے۔ ان کی دستار بہت چھوٹی قدیم وضع کی ہے۔ یہ بہ جائے شلوار کے ہندوانہ دھوتی باندھتے ہیں۔ مہذب اور تعلیم یافتہ ہندو سب شلواریں پہنتے ہیں۔"(۴۴)

چھیالیس برس بعد عزیز الرحمان عزیز (۱۸۷۳-۱۹۴۴ء) نے طرز بود و باش اور عادات واطوار کے متعلق **صبح صادق** (اشاعت: ۱۹۰۰ء) میں لکھا:

"محنت پیشہ لوگ دن بھر کی مزدوری سے جب فارغ ہوتے ہیں، تو شام کو اپنی حیثیت کے مطابق قیمتی پوشاک پہن کر اور بن ٹھن کر بازاروں میں چلتے ہیں۔ اور زندہ دلی کی باتوں میں مشغول پائے جاتے ہیں۔ کھیلوں میں سے شطرنج کم کم مگر تاش کا عام رواج ہے۔ پتنگ بھی اڑائے جاتے ہیں۔ بٹیر بازی، مرغ بازی اور کبوتر بازی بھی من جملہ تفریح مشاغل میں شامل ہے۔ پہلے مینڈھوں کے لڑانے کا دستور بھی تھا مگر اب کم ہو گیا ہے۔ شب برات میں آتش بازی بھی کی جاتی ہے۔ ہندو چوسر اور گنجفہ زیادہ کھیلتے ہیں۔ شہروں کے آس پاس بزرگوں کے مزاروں پر جب عرس ہوتے ہیں تو ان میں لوگ کثرت سے جمع ہوتے ہیں۔ ساون کے مہینے میں جب بارش ہوتی ہے تو عام طور پر سب آدمی شہروں سے نکل کر بہتے نالوں کے پاس اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ طرح طرح کے پکوان پکتے ہیں۔ کشتیاں، کنڈی گولیاں اور تاش وغیرہ کے کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ عموماً ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے میلوں میں نہیں جاتے کیوں کہ قانونی پابندی عائد کر دی گئی ہے۔"(۴۵)

انہتر سال بعد حفیظ الرحمان حفیظ نے **تمدن بہاول پور کی دو مختلف تصویریں** (اشاعت: ۱۹۲۳ء) نام سے **سیرستان** کے کچھ اقتباسات کا اردو ترجمہ کیا اور ساتھ ہی اپنے دور کی تمدنی زندگی پر بھی روشنی ڈالی۔

مثلاً پیر ابراہیم کے دور کے برعکس آج ہر دیہات اور قصبے میں علم کا فیضان جاری ہے۔ تقریباً ہر تحصیل میں مڈل مدرسہ، اور صدر میں ہائی سکول اور زنانہ مدارس قائم ہیں۔ سرکاری دفاتر کی تمام خط و کتابت فارسی کی بہ جائے اردو میں ہونے لگی ہے۔ اب مالیہ نقدی میں وصول ہوتا ہے۔ البتہ علما اور سادات کے حسد، کینہ پروری، عادت سوال اور گداگری کی جو شکایت پیر ابراہیم کے دور میں تھی، اب بھی وہی کیفیت ہے بل کہ اب اعتدال سے تجاوز کر کے مقدمہ بازی تک پہنچ گئی ہے۔ اجنبیوں کے ساتھ ریاستیوں کا سلوک ایک فطری جذبہ تھا۔ اگرچہ اس وقت اجنبی انگشت شمار تھے لیکن اب سرکاری اعداد و شمار کے مطابق تقریباً نو سو غیر ریاستی یہاں ملازم ہیں۔ اس سے بھی انکار ممکن نہیں کہ بعض غیر ریاستی ملازمین نے ریاست کی نہایت قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس وقت صنعت و حرفت کو حکومتی سرپرستی حاصل تھی، آج کل جلسوں، درباروں اور خاص تقریبوں میں انعام و اکرام کی صورت نقد ہو گئی ہے۔ اسی سبب اعلیٰ قسم کی لنگیاں، زرکنار دوپٹے، صوفی و گل بدن کے پارچے اور پیچی کے بڑے عمامے نہ بنتے ہیں، نہ کوئی استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا اب یہ صنعتیں زبوں حالی کا شکار ہیں۔ دال خور کا لفظ مسلمانوں میں ایک گالی سمجھی جاتی تھی، مگر اب جس شخص کو مرفہ الحال ظاہر کرنا مقصود ہو تو کہا جاتا ہے کہ ''دال روٹی گھر دی ہس''، یعنی اس کے گھر میں فراوانی سے دال روٹی میسر ہے۔ مرثیہ خوانی اور تعزیہ داری کی سخت ممانعت تھی لیکن آزاد خیال منتظمین نے اسے رواداری کی نظر سے دیکھا۔ بالخصوص بہاول پور اور احمد پور شرقیہ میں محرم کے ایام میں ان امور میں اس قدر انہماک رہتا ہے کہ حکومت کو امن و امان قائم رکھنے کے لیے خاص انتظامات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے بل کہ اہل تشیع کے علاوہ عام لوگ بھی تعزیہ داری کرنے لگے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس وقت سلطنت برطانیا کی سرپرستی میں ریاست کا نظام حکومت متمدن ممالک کی مانند ہے۔ مال، تجارت، تعمیرات، انہار، تعلیم، طب، میونسپل، عدلیہ، پولیس، فوج، خزانہ جات اور دیگر تصریفات کے لیے علیحدہ علیحدہ صیغے موجود ہیں۔(۴۶)

بہاول پور کے طرز معاشرت کے متعلق پیر ابراہیم کے باقی مشاہدات بھی بہت حد تک درست ہیں، مثلاً: لوگوں کی اکثریت فطرتاً سست اور کاہل ہے۔ معاشی مسائل کے باوجود ترکِ وطن پر آمادہ نہیں ہوتے۔ دونوں باتوں کی تصدیق میر ناصر علی نے بھی کی ہے۔ اسی باعث اس دور میں مسلمانوں کے مقابلے میں ہندووں کی معاشی حالت کافی بہتر تھی۔ مسلمان زیادہ تر زراعت پیشہ تھے لیکن چوں کہ ان کے

اخراجات آمدنی سے زیادہ تھے جس وجہ سے بڑے زمین دار اکثر مقروض رہتے تھے۔ مسلمانوں کے معاشی حالات خراب ہونے کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ محنت سے جی چراتے تھے۔ اگرچہ ریاست نے تجارت وصنعت کے لیے سہولیات فراہم کی ہوئی تھیں لیکن ان سے زیادہ فائدہ ہندوؤں اور دیگر غیر مسلم اقوام نے اٹھایااور آٹے کی ملیں، کپاس اور چاول صاف کرنے کے کارخانے لگا کر تجارت پر چھا گئے۔(۴۷) آج بھی بہاول پور کو مٹی کے برتنوں کی تیاری کا مرکز کہا جاتا ہے۔ مٹی کے بڑے مٹکے، ہانڈیاں، گل دان، مرتبان، پھول دار صراحیاں اور نفیس گلاس اپنی پہچان آپ ہیں۔ ان برتنوں پر نہایت خوب صورت اور عجیب قسم کی بیلیں پھول اور نقش و نگار بنائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں رنگ سازی، کھجور کے پتوں کی مصنوعات، کھسے اور کندن کے زیورات سازی کا فن بھی قابل ذکر ہے۔ آج بھی یہاں پیر پرستی، اوہام پذیری اور عیش کوشی میں کوئی فرق نہیں آیا لیکن یہ کہنا کہ یہاں کے لوگ مغرور ہیں، درست نہیں۔ یہ سادہ اور اپنی دھن میں مست رہنے والے لوگ ہیں۔ علما کے بارے میں رائے سے بھی اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ تاہم آج بھی بیشتر علاقوں میں کثرتِ ازدواج کا شوق موجود ہے۔ خانگی اور اقتصادی مضمرات کو اہمیت دیے بغیر مالی آسودگی حاصل ہوتے ہی پہلی فرصت میں دوسرا بیاہ رچایا جاتا ہے۔ البتہ یہاں کے عام باشندے اپنی معاشی حالات کے باعث گوشت کے علاوہ دال سبزی بھی کھانے لگے ہیں بل کہ غربا اکثر سبزی خور ہیں۔ عام طور پر گیہوں کی روٹی کھائی جاتی تھی، لیکن چاول، جوار اور باجرے کی روٹیاں کھجور، مرچ اور پیاز کے ساتھ بھی روٹی کھا لی جاتی ہیں۔ یہاں کے باشندے مونگ کی دال اور چھوٹا لوبیا، جسے مقامی زبان میں "رواں" کہا جاتا ہے، کے بہت شوقین تھے۔ بڑ کے پتے پر دال اور ایک چپاتی سے صبح کا ناشتا کچھ عرصہ قبل تک بھی لوگوں کا معمول رہا ہے۔ اندرون شہر گلیوں اور کوچوں میں "منگاں دی دال تے روانہہ" (مونگ کی دال اور لوبیا) کی آوازیں چلتے پھرتے سنائی دیتی تھیں۔(۴۸) اندرون بازار میں ایک جگہ "دال والی گلی" نام سے آج بھی معروف ہے۔ یہاں ماضی میں دالوں کے کاروبار سے وابستہ افراد کی رہائش تھی، جو زیادہ تر ہندو تھے۔ ریاست کے مقامی لوگوں میں دال کھانے کا رواج ایک بہت بڑی سماجی تبدیلی تھی، جو شاید ہندوؤں کے ساتھ میل جول سے رونما ہوئی۔

مزید سو سال گزرے تو رفتہ رفتہ تعلیم نے مقامی لوگوں کی سوچ میں تبدیلی پیدا کی۔ آباد کاروں کی دوسرے علاقوں سے یہاں آمد اور میل جول نے جہاں مقامی لوگوں کی عادات واطوار میں جدت پیدا کی،

وہیں یہاں کے تہذیب و ثقافت پر مثبت اور منفی دونوں قسم کے اثرات بھی رونما ہوئے۔ ریاستی طور طریقے رہن سہن اور زبان خلط ملط ہو کر رہ گئی، مثلاً: بہاول پور کے معاشرے میں اسلامی طرز معاشرت کی گہری چھاپ نظر آتی تھی۔ یہاں کے لوگ ننگے سر پھرنے کو معیوب خیال کرتے تھے۔ سر پر رومال یا پگڑی باندھتے یا عام ٹوپی کے علاوہ ترکی ٹوپی اوڑھتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھا ملبوسات کی وضع قطع بدلنا شروع ہوئی۔ چولی اور دوشالے ترک کر کے عورتوں اور مردوں دونوں میں شلوار قمیض کا رواج چل نکلا۔ مردوں میں سر ڈھانپنے کا، جب کہ خواتین میں پردے کا رواج قدرے کم ہو گیا۔ مقامی زبان بولنے کو معیوب سمجھا جانے لگا۔ ون یونٹ (۱۹۵۵ء) کے قیام کے بعد لباس کے سلسلے میں نمایاں تبدیلی دیکھنے میں آئی، جدید تعلیم کو فروغ ملا۔ یونیورسٹی اور میڈیکل کالج کے قیام سے مزاج اور سوچ میں تبدیلیاں آئیں، یہاں کی ثقافت اور معاشرت پر خوش گوار اثرات مرتب ہوئے۔ مجموعی طور پر آج بھی یہاں کے لوگ سادہ ہیں اور تکلفات کو پسند نہیں کرتے۔ تعظیم و تکریم کا برتاو از حد موجود ہے۔ بزرگوں کے واسطے تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سنت کے مطابق مہمان کا استقبال کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ رخصت کرتے ہوئے بھی دروازے تک جاتے ہیں اور بھرپور مہمان نوزی کی جاتی ہے۔ نصف شب کو دلہن کی رخصتی کا رواج شہروں میں باقی نہیں لیکن کئی دیہی علاقوں میں موجود ہے۔ جھومر آج بھی سرائیکی شادی بیاہ کا لازمی جزو تصور کی جاتی ہے۔ گویا ایک سو ستاسٹھ برس گزر جانے کے بعد بھی اگرچہ لباس، اطوار، طرز بود و باش و معاشرت تبدیل ہو چکے ہیں لیکن بہت سی اقدار، عادات و رسومات اب بھی باقی ہیں۔

نتیجہ گیری

سیرستان میں ماضی کی پر امن ریاست کی تصویر محفوظ کی گئی ہے، ایک ریاست کا ابتدائی نقشہ، جس کے خدوخال ابھی تشکیل پا رہے تھے۔ لوگوں کے رہن سہن، عادات و خصائل میں سادگی، محبت اور مروت پائی جاتی تھی۔ بعد ازیں غیر ریاستی آباد کاروں کی آمد کے ساتھ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مقامی اور غیر مقامی افراد کے درمیان تفریق بھی پیدا ہونے لگی۔ طرز زندگی میں تصنع آنے لگا۔ مگر اس کے باوجود یہاں کے لوگوں کا مذہبی رجحان، دین داری، صلح جوئی، امن پسندی، قانون کی پاس داری اور حکم ران کی اطاعت ایسی خصوصیات تھیں جو ان کی خاص پہچان تھیں۔ علاوہ ازیں کچھ خاص ہنر و فن تھے جو اب تک اس خطے کی شناخت کا باعث ہیں۔

ریاست کے ہر دور میں وقائع نویس کے علاوہ ایک تاریخ نویس بھی ضروری عہدہ تھا جو شاہی خاندان اور ریاست کی تاریخ مرتب کرتا تھا۔ انھی مورخین کی مرتب کردہ: **مرات دولت عباسی، اقبال نامہ سعادت آیات، اور جواہر عباسیہ** کو خالصتہً درباری تواریخ کہا جا سکتا ہے، جنھیں نوابان ریاست نے اپنے درباری مورخین کے ذریعے اپنے دور کے واقعات محفوظ کرنے کی غرض سے لکھوایا۔ لیکن **سیرستان**، ریاست کی کوئی درباری اور سیاسی تاریخ نہیں، جسے لکھتے ہوئے مصنف نے ریاست عباسیہ کا نمک خوار ہونے کے ناطے جانب داری کا مظاہرہ کیا ہو۔ انھوں نے بہ چشم خود جو دیکھا، بلا کم و کاست بیان کر دیا۔ علاوہ ازیں متذکرہ بالا تینوں کتب تواریخ میں بہاول پور کی تہذیب و ثقافت کی ایک موہوم سی جھلک دکھائی دیتی ہے جب کہ **سیرستان** کا یہ باب خالصتاً اسی موضوع کا احاطہ کرتا ہے اور فارسی زبان میں ریاست بہاول پور کی معدوم شدہ تہذیب و ثقافت کا اہم اور مستند ماخذ ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) پیر ابراہیم، مبارز الدولہ، سیرستان مبارز الدولہ، (ملتان: مطبع ریاض نور، ۱۸۵۴ء)، ۲۱۸۔

(۲) مولوی محمد شفیع، مبارز الدولہ پیر ابراہیم خان خویشگی قصوری، مشمولہ: اورینٹل کالج میگزین، شمارہ:۱۷ (لاہور، پنجاب ہونیورسٹی، ۱۹۲۹ء)، ۱۔۳

(۳) سی اے سٹوری (Storey,C.A) *Persian Literature* جلد اول، حصہ اول (لندن، ۱۹۷۰ء)، ۶۶۲۔

(۴) مراد شاہ گردیزی، تاریخ مراد، جلد چہارم، عکس مخطوطہ، مملوکہ: گلزار احمد غوری، (بہاول پور: بیرون احمد پوری دروازہ)، ۴۴۔

(۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: مراد شاہ گردیزی، تاریخ مراد، جلد چہارم (ملتان: باہتمام: سید محمد علی گردیزی، ۲۰۲۰)۔

ایضاً (۲۰۱۴ء)، تاریخ مراد، جلد پنجم، (ملتان، باہتمام: سید حر ریاحی گردیزی، ۲۰۱۴)۔

(۶) ہربرٹ بی ایڈورڈ، میجر (Herbert B.Edwardes, Major) *A year On The Punjab Frontier in 1848* , جلد:۲، (لندن، ۱۸۵۱)، ۳۷۷، ۳۴۴، ۳۱۹، ۳۱۴۔

(۷) ایضاً، ۳۱۵۔

(۸) مولوی محمد شفیع، مبارز الدولہ پیر ابراہیم خان خویشگی قصوری، مشمولہ: اورینٹل کالج میگزین، شمارہ:۱۷ (لاہور، پنجاب ہونیورسٹی، ۱۹۲۹ء)، ۳۔

(۹) سی اے سٹوری، *Persian Literature* ، جلد اول، حصہ اول ا،(لندن، ۱۹۷۲ء)، ۶۶۲۔

(۱۰) ایضاً، ۶۶۳۔

(۱۱) جے ڈی کننگھم نے ۱۹۴۹ء میں *History of the Sikhs* نام سے سندھ، راجھستان اور بہاول پور کے واقعات سے متعلق ایک ضخیم کتاب مرتب کی۔اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۵۳ء میں طبع ہوا، جسے ان کی وفات(۱۸۵۱ء) کے بعد ان کے بھائی پیٹر کننگھم (Peter Cunningham)نے شائع کرایا. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: https:en.m.wikipedia.org

(۱۲) شہامت علی، سر کلاوڈ مارٹن واڈے(Sir Claude Martine Wade)کے پرشین سیکرٹری تھے اور ان کے ساتھ ۱۸۳۳ء میں بہاول پور اور ۱۸۳۹ء میں پشاور کی مہمات میں شریک رہے۔بعد ازیں، ملاوہ میں پولیٹیکل ریذیڈنٹ کے میر منشی مقرر ہوئے۔ان کی ایک اور کتاب:

The Sikhs and Afghans in connexion with India and Persia, immidiately before and after the death of Ranjeet Singh

عنوان سے ۱۸۴۷ء میں لندن سے شائع ہوئی۔اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۹ء میں چھپا۔

(۱۳) شہامت علی، *The History of Bahawalpur*، (لندن، جیمز میڈن، ۸لیڈن ہال سٹریٹ، ۱۹۴۸ء) دیباچہ۔ اس کتاب کی از سر نو عکسی اشاعت ۲۰۱۲ء میں سنگ میل پبلی کیشنز کی جانب سے ہوئی ہے۔

(۱۴) پیر ابراہیم، مبارز الدولہ، سیرستان مبارز الدولہ (ملتان: مطبع ریاض نور، ۱۸۵۴ء)، ۵۔

(۱۵) ایضاً، ۲۳۷۔ (۱۶) ایضاً، ۲۳۶۔۲۳۵۔ (۱۷) ایضاً، ۲۲۶

(۱۸) ایضاً، ۲۲۴۔ (۱۹) ایضاً، ۲۲۴۔۵۲۲۔ (۲۰) ایضاً، ۲۲۲۔

(۲۱) ایضاً، ۲۲۵۔ (۲۲) ایضاً، ۶۲۲۔ (۲۳) ایضاً، ۲۲۸۔

(۲۴) ایضاً، ۲۲۳۔ (۲۵) ایضاً، ۲۲۴۔۲۲۵ (۲۶) ایضاً، ۲۲۶۔۲۲۷

(۲۷) ایضاً، ۲۲۸، ۲۲۷۔ (۲۸) ایضاً، ۲۲۹۔

(۲۹) عظیم الدین کے والد مولوی امام الدین ساعت ساز، نواب صادق محمد ثانی(۱۸۰۹۔۱۸۲۵ء) کے دور میں ریاست کے محافظت مالیہ کے عہدے پر مامور تھے۔مولوی عظیم الدین نہایت باکمال ساعت ساز تھے۔ان کی خدمات کے اعتراف میں ۱۸۵۳ء میں نواب فتح خان(۱۸۵۸۔۱۸۵۳ء) نے انھیں ایک ہزار روپیہ بہ طور انعام عطا کیا (مراد شاہ گردیزی(۲۰۲۰ء)، **تاریخ مراد**، جلد چہارم، باہتمام: سید محمد علی گردیزی، ص: ۲۱۹)۔ان کے بیٹے: مولوی عزیز الدین(وفات: ۱۸۹۲ء) بھی سرکار بہاول پور میں ساعت سازی کے عہدے پر مامور رہے۔عزیز الدین ریاست کے دور کے نامور صاحب دیوان شاعر بھی تھے(حفیظ، حفیظ الرحمان(نومبر، ۱۹۴۰ء) ، "مشاہیر بہاول پور-محلہ قضات"، مشمولہ: العزیز، عزیز المطابع، بہاول پور، ص:۱۹)۔

(۳۰) پیر ابراہیم، مبارز الدولہ، سیرستان مبارز الدولہ، (ملتان، مطبع ریاض نور، ۱۸۵۴ء)، ۲۳۰۔

(۳۱) ایضاً، ۲۲۸۔ (۳۲) ایضاً،۲۲۹۔ (۳۳) ایضاً،۲۳۰۔۲۳۲۔

(۳۴) *The Administration Report of State Bahawalpur*،ریاست بہاول پور (۱۹۴۵۔۱۹۴٦ء) ۱۱۱۔

(۳۵) اعظم،مولوی محمد،جواہر عباسیہ، (لاہور :نسخہ عجائب گھر،۱۳۰۸۔\۹۳۴) عکس مخطوطہ مملوکہ ڈاکٹر مسرت واجد (شعبۂ فارسی،اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور)۲۴۱۔

(۳٦) رضوی، شاہد حسن،بے مثل ریاست کا شہر بے مثال - بہاول پور،(بہاول پور،شہاب دہلوی اکیڈمی،۲۰۲۰)،٦۹۔

(۳۷) الفنسٹن،ماونٹ سٹورئٹ، *An Account of the Kingdome of Kabul* (لندن،۱۸۱۵)،۱۷۔

(۳۸) ایضا،۲۰۔

(۳۹) چارلس میسن *Narrative of Various Journeys in Balochistan, Afghanistan and Punjab, (*including Residence in those countries from1826-1838), (لندن،۱۸۴۲)،۲۰۔

(۴۰) ایضاً،۴،۳۔

(۴۱) موہن لعل، Travel In The Punjab, Afghanistan & Turkistan To Balkh, Bokhara & Heart And A Visit To Great Britain And Germany, (لندن ، لیڈن ہال سٹریٹ، ۱۸۴٦ء)، ۲۴۲۔

(۴۲) ایضاً،۲۳۲۔۲۳۳۔

(۴۳) مرادشاہ گردیزی، تاریخ مراد، جلد۴، (ملتان:الطاف کوشک،باہتمام:محمد علی گردیزی، ۲۰۲۰ء)، ۳۲۔

(۴۴) ناصر علی،میر،ریاست بہاول پور کا جغرافیہ،(بہاول پور: صادق الانوار پریس،۱۸۲۹ء)،۱۴۔

(۴۵) عزیز، عزیز الرحمان، صبح صادق، طبع اول،(پانی پت:حالی پریس،۱۹۰۰ء)،۱۵۔

(۴٦) حفیظ، حفیظ الرحمان ، تمدن بہاول پور کی دو مختلف تصویریں،(دہلی: محبوب المطابع، دہلی، ۱۹۲۳ء)، ۳۷تا۴۳۔

(۴۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: بہاول پور سٹیٹ گزیٹئر،(بہاول پور: مطبع صادق الانوار،۱۹۰۴ء)۔

(۴۸) واسطی،زاہد علی سید،بہاول پور کی سرزمین،(لاہور: بیکن بکس،۲۰۰۹ء)،۱۸۴۔

BIBLIOGRAPHY

- Aazam bahawalpuri, Molvi Muhammad, *Javāhir-e Abbāsiya*, Manuscript, (Lahore: :Lahore Meuseum, No: 1308.4/93)
- Alphinstone, Mounistuart**,** *An Account of the Kingdome of Kabul*, (London.1819).
- Aziz, Aziz Al-Rehman, *Sūbh-e Sādiq*, (Panipat: Haali Press, 1900).
- Charles Masson**,** *Narrative of Various Journeys in Balochistan*, (London: Afghanistan and Punjab, 1842).
- *Gazzeteer of Bahawalpur State*, Matba Sadiq al-Anwar, (Bahawalpur, 1904).
- Hafeez, Hafeez al-Rehman, *Mshāhīr-e Bahāwalpūr*, Mahalla Qazat Al.Aziz, monthly, Aziz al Matabeh, Bahawalpur, Nov 1940.
- Hafeez, Hafeez al-Rehman, *Tamaddan-e Bahāwalpūr kī do Mukhtalif Tasvīraiṉ*, (Delhi: Mehboob al-Matabeh,1923).
- Herbert B.Edwardes, Major, *A year On The Punjab Frontier in 1848*, (London,, Vol.2 ,1851).
- Mahammad Shafi, Maulvi, *Mūbāraz al-Daūla Pīr Ibrāhīm kḥeshgī Qasūrī***,** (Lahore: Oriental College Magazine, Vol: 17, Punjab University).
- Mohan Lal, *Travel In The Punjab, Afghanistan & Turkistan To Balkh, Bokhara & Heart And A Visit To Great Britain And Germany*, (London: WM.H. Allen & Co. 7, Leadenhall Street, 1846).
- Murad Shah Gardezi, *Tarīkh-e Mūrād*, Vol: 4, manuscript.
- Murad Shah Gardezi, *Tarīkh-e Mūrād***,** Vol: 5, by Hurr Riyahi Gardezi, Altaf Koshak, (Multan. 2014).
- Murad Shah Gardezi, *Tarīkh-e Mūrād*, Vol:4, (Multan: Altaf Koshak, 2020).
- Nasir Ali, Meer, *Riyāsat-e Bahāwalpūr ka Jūghrāphiah*, Sadiq Al- Akhbr, (Bahawalpur.1892).
- Peer Ibrahim, Ali Kheshgi Qasoori, *Sairistān-e Mūbāraz al-Daulah***,** (Multan: Matbah Riaz-e Noor, 1954).
- Rizvi, Shahid Hassan**,** *Bemisl Riāsat ka Shehr-e Bemisāl*, (Bahawalpur: Shahab Dehelvi Academy, 2020).
- Shahamat Ali, *The History Of Bahawalpur***,** (London: James Madden, 8, Leadenhall Street, 1948).
- Storey, C.A, *Persian Literature*, (London, vol.1, pt.1, 1972).
- *The Administration Report of Bahawalpur State*, 1945.46
- Wasti, Zahid Ali Syed, *Bahāwalpūr ki Sarẓamīn*, (Lahore: Beecon books, 2009).

❖❖❖